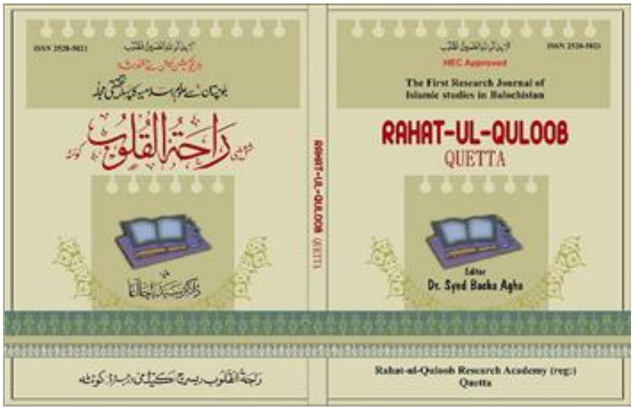

This work is licensed under a [Creative Commons Attribution 4.0 International License](https://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)

RAHAT-UL-QULOOB

Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2025-5021. (E) 2521-2869

Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**

Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.

Website: www.rahatulquloob.com

Approved by Higher Education Commission Pakistan

Indexing: » Australian Islamic Library, IRI (AIOU), Tahqeeqat, Asian Research Index, Crossref, Euro pub, MIAR, ISI, SIS.

TOPIC

سامی ادیان اور عالمی منشور حقوق انسان کے تقابلی مطالعے کے تناظر میں حقوق نسواں کے نفاذ کا موجودہ دور میں تجزیاتی جائزہ

A contemporary analytical review of the implementation of women's rights in the context of a comparative study of the Semitic religions and the Universal Declaration of Human Rights

AUTHOR

Dr. Maria Khalil, Lecturer, Sardar Bahadur Khan Women University (SBK), Quetta, Pakistan.

Email: mariakhalil59@gmail.com

How to Cite: Dr. Maria Khalil. (2025). URDU: سامی ادیان اور عالمی منشور حقوق انسان کے تقابلی مطالعے کے تناظر میں حقوق نسواں کے نفاذ کا موجودہ دور میں تجزیاتی جائزہ: A contemporary analytical review of the implementation of women’s rights in the context of a comparative study of the Semitic religions and the Universal Declaration of Human Rights. *Rahat-Ul-Quloob*, *9*(1), 32-53. Retrieved from https://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/465

http://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/465

Vol. 9, No.1 || January–June 2025 || URDU-Page. 32-53

Published online: 03-02-2025

سامی ادیان اور عالمی منشور حقوق انسان کے تقابلی مطالعے کے تناظر میں حقوق نسواں کے نفاذ کا موجودہ دور میں تجزیاتی جائزہ

A contemporary analytical review of the implementation of women's rights in the context of a comparative study of the Semitic religions and the Universal Declaration of Human Rights

ماریہ خلیل

ABSTRACT

All human beings in this world are equally entitled to rights in terms of certain basic facilities and needs, which are known as basic human rights. Every human being has these rights regardless of color, race and gender. In this regard, there is no difference between men and women. All human beings have these rights regardless of culture, civilization, region and religion. The reality is that despite having rights, sometimes the weak fails to get these rights, mainly due to ignorance of these rights and the forcible usurpation of these rights by the powerful. In this regard, women have always been considered weak and oppressed. Sometimes they are denied even the basic rights of life. The purpose of this research paper is to analyze some of the fundamental rights given to women in Semitic religions Judaism, Christianity, and Islam in comparison with the modern Western perspective of human rights, especially the Universal Declaration of Human Rights. This research explores whether the Universal Declaration of Human Rights plays a clear role in the substantial increase and implementation of the rights given to women in Semitic religions or not. Furthermore, the study highlights that the Islam grants women a dignified, empowered, and balanced role in society, which aligns with both nature and social harmony. In contrast, the modern Western feminist discourse often challenges traditional and familial structures, promoting a form of individualism that may disconnect women from their natural and communal roles. This comparative analysis seeks to address whether modern feminism truly empowers women or redefines them into isolated individuals detached from their traditional essence

Keywords: women's rights, Semitic religions, Universal Declaration of Human Rights, nature and social harmony, modern feminism.

انسانی حقوق کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان خود قدیم ہے۔اس عالم ہیست و بود میں جس دن سے آدم فانی نے قدم رکھا اسی دن سے اس کے حقوق کا آغاز ہو گیا۔جب سے انسان کو وجود بخشا گیا تبھی سے اسے بنیادی انسانی حقوق عطا کر دیے گئے۔اسی تصویر کائنات کا ایک جزو لا ینفک وجود زن بھی ہے جس کے بغیر کارخانہ حیات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لہٰذا بلا تخصیص جنس سبھی کو ان حقوق میں حصہ داری نصیب ہوئی۔ ان حقوق کے تعین کے لیے ہر دور میں مختلف ادیان و مذاہب نے اپنا کردار ادا کیا جس میں مرد و زن کی جسمانی ساخت اور فطرت کو دیکھتے ہوئے اور اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے مختلف حقوق کی فراہمی کو ممکن بنایا گیا۔ مرور زمانہ کے ساتھ انسانوں نے اپنے اپنے ادیان و مذاہب کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا اور انسانیت پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب بنیادی انسانی حقوق کی اس قدر پامالی کی گئی کی دنیا کے صاحب اقتدار طبقہ کو

میدان میں آنا پڑا تاکہ بنیادی انسانی حقوق کا تعین کیا جا سکے اور ان کے نفاذ کو بزور طاقت یقینی بنایا جا سکے۔

سابقہ ادبیات و تحقیقات کا مطالعہ:

انسانوں کے متعین کردہ انسانی حقوق کی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز مغرب کی جانب سے میگنا کارٹا سے ہوا جسے انسانی تاریخ کا سب سے پہلا دستور برائے حقوق انسانی قرار دیا جا سکتا ہے اور جسے ۱۵ جون ۱۲۱۵ء کو باضابطہ طور پر نافذ کیا گیا۔ اس دستور کی رو سے برطانوی عوام نے اپنے بادشاہ جان کو یہ ماننے پر مجبور کیا کہ وہ قانون سے بالاتر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جب بادشاہ، پوپ اور جاگیر دار طبقہ کو ہی بالادستی حاصل تھی اور عوام کی حیثیت غلاموں سے زیادہ نہ تھی۔ اس دستور کو انسانی حقوق کی راہ میں سب سے پہلا اور اہم سنگ میل قرار دیا جاتا ہے۔[1]

میگنا کارٹا کے بعد بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے جو اگلا قدم تھا وہ انقلاب فرانس کے بعد 1789ء میں اسی انقلاب کے نتیجے میں پیش کیا جانے والا انسانی حقوق کا اعلامیہ تھا جسے Declaration of the Rights of the Man کہا جاتا ہے۔ اس کی رو سے پوپ کے اختیارات کو محدود کر کے صرف عبادات اور اخلاقیات تک محدود کر دیا گیا اور جاگیر دار طبقہ کی بھی چھٹی کرا دی گئی۔ بادشاہ کو تو پہلے مرحلے پر ہی قانون کا پابند قرار دے دیا گیا تھا لہٰذا اب سارے اختیارات سوسائٹی کو منتقل کر دیے گئے۔[2]

اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً انسانی حقوق کی فراہمی کے لیے کئی اقدامات کیے گئے اور بالآخر جنگ عظیم دوئم کے بعد جب وسیع پیمانے پر انسانی حقوق کا استحصال کیا گیا تو انسانیت کا درد رکھنے والوں کے دل میں اس بات کی خواہش پیدا ہوئی کی کوئی ایسا دستور بنایا جائے جس میں بنیادی انسانی حقوق کا تعین کر کے ان کی پاسداری کو لازم قرار دیا جائے تاکہ آئندہ اس قدر وسیع پیمانے پر انسانی جانوں کے ضیاع سے بچا جا سکے۔ لہٰذا 1945ء میں ایک ایسے ادارے کا قیام عمل میں لایا گیا جو قوموں کے درمیان تنازعات کا فیصلہ کر سکے اور اس ادارے کو اقوام متحدہ کا نام دیا گیا۔ 10 دسمبر 1948ء کو اقوام متحدہ نے ایک منشور جاری کیا جسے Universal Declaration of Human Rights کا نام دیا گیا۔ اس منشور میں بلا تفریق جنس و نسل تمام انسانوں کے چند بنیادی حقوق کا تعین کیا گیا جن کو ۳۰ دفعات کی صورت میں پیش کیا گیا۔[3]

عورتوں کے حقوق کی پاسداری کے ضمن میں اگر انسانی کاوشوں کو دیکھا جائے تو چونکہ عورت ہمیشہ سے معاشرے کا ایک کمزور طبقہ رہی ہے اور ہر دور میں اس کے جائز حقوق کی پامالی ہی کی جاتی رہی ہے اس لیے جب بنیادی انسانی حقوق کے نعرے بلند ہوئے تو عورتوں کے حق میں بھی انہی بنیادی حقوق کی فراہمی کی بات کی گئی۔ اس کا ایک ثبوت تحریک نسوانیت پسندی یعنی فیمینزم ہے۔ اس تحریک کا مقصد عورتوں کو بھی ویسے ہی سیاسی، معاشی اور معاشرتی حقوق مہیا کرنا ہے جیسے کہ مردوں کو حاصل ہیں۔[4]

اس تحریک کا آغاز انیسویں صدی کے آخر میں ہوا۔ اس کا پہلا دور 1848ء سے 1920ء تک تھا۔ اس دوران اس تحریک کا تقاضا تھا کہ عورتوں کے تعلیم، وراثت اور شہریت کے حقوق کو قانونی حیثیت ملنی چاہیے لیکن یہ مطالبات بھی صرف سفید فام عورتوں کے لیے تھے، سیاہ فام عورتوں کے لیے نہیں تھے۔ اس تحریک کا دوسرا دور 1960ء یا 1970ء یا 1980ء تک تھا۔ اس دوران ان کا مقصد عورتوں کے لیے حق رائے دہی حاصل کرنا اور زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل جنسی برابری حاصل کرنا تھا۔ اس تحریک کا تیسرا دور 2010ء تک جاری رہا جس میں ان کا

اہم مقصد ثنائی اصطلاحات مثلاً مرد، عورت، صنف، جنس، اور مذکر مؤنث وغیرہ کا خاتمہ تھا۔ بہر حال اس تحریک کی سرپرستی غیر سرکاری تنظیموں نے کی اور عورتوں کو ہر شعبہ زندگی میں مردوں کے برابر لا کھڑا کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ حال ہی میں پاکستان میں بھی میرا جسم میری مرضی کا نعرہ لگانے کا محرک بھی یہی تحریک نسوانیت پسندی ہے۔[5]

اس سلسلے کی ایک اہم کڑی حقوق نسواں کا عالمی معاہدہ CEDAW ہے۔ یہ ایک اہم اجلاس ہے جو کہ بین الاقوامی سطح پر منعقد کروایا گیا تھا اور جس کا مقصد عورتوں کے ساتھ ہونے والے کسی بھی قسم کے امتیازی سلوک کے خلاف آواز اٹھانا اور عورتوں کو بھی معاشرے کا ایک باعزت فرد سمجھتے ہوئے حقوق مہیا کرنے کی تحریک چلانا تھا اور جس کا نام اسی مناسبت سے Convention on the Elimination of all forms of Discrimination against Women رکھا گیا۔ یہ معاہدہ کل 30 دفعات پر مشتمل ہے جس میں سے پہلی ۱۶ کا تعلق ان اقدامات سے ہے جو کسی بھی حکومت کو عورتوں کے خلاف کیے جانے والے امتیازات کے خاتمے کے لیے کرنے چاہییں۔ 17 تا 22 میں ایک بین الاقوامی کمیٹی بنانے کے لیے سفارشات پیش کی گئی ہیں جو عورتوں کے حقوق کی نگہبانی کے لیے نگرانی کے فرائض سرانجام دے گی کہ جن ممالک نے اس معاہدے کی توثیق کی ہے وہ اس کی دفعات کا نفاذ کر رہے ہیں یا نہیں۔ دفعہ 23 تا 30 میں اقوام متحدہ اور اور منتخب حکومتوں کو عورتوں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے مل کر کام کرنے کی بات کی گئی ہے۔ اس معاہدے کو اس قدر پزیرائی ملی کہ اقوام متحدہ نے 18 دسمبر 1979ء کو اسے منظور کر لیا اور 2010ء تک دنیا کے 186 ممالک نے اس معاہدے کی توثیق بھی کر لی۔[6]

اگر اقوام متحدہ کے پیش کردہ عالمی منشور برائے حقوق انسانی کی دفعات کے متن کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس میں جتنے بھی حقوق کی بات کی گئی ہے وہ بلا تفریق جنس کی گئی ہے یعنی اس منشور کے مطابق تمام حقوق میں مرد و زن کا یکساں حصہ ہے اور اس بات کی وضاحت خود منشور کی دفعہ نمبر ۲ میں کی گئی ہے۔[7]

سوالات تحقیق:

اس تحقیقی مراسلہ میں یہ دیکھا جائے گا کہ ادیان الٰہیہ کے ہوتے ہوئے آخر اس بات کی ضرورت کیونکر پیش آئی کہ الگ سے عورتوں کے حقوق متعین کیے جائیں اور ان کے حصول کے لیے باقاعدہ تحریکیں چلائی جائیں۔ نیز یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ سامی ادیان عورت کو کون کون سے حقوق سے نوازتے ہیں؟ مزید یہ کہ عورتوں کو دیے جانے والے حقوق کو عالمی منشور کے تناظر میں دیکھا جائے گا کہ اس منشور میں جو بنیادی انسانی حقوق متعین کیے گئے ہیں ان میں عورت کا کتنا حصہ ہے؟ نیز یہ سوال بھی قابل تحقیق ہے کہ کیا عالمی منشور حقوق انسانی عورتوں کو سامی ادیان میں دیے جانے والے حقوق میں خاطر خواہ اضافہ اور عمل درآمد میں واضح کردار ادا کر رہا ہے؟ اس تحقیقی مضمون میں انہی سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی جائے گی۔ چونکہ اس مختصر سے تحقیقی کام میں تمام حقوق کا احاطہ کرنا ممکن نہیں لہٰذا سامی ادیان کے تناظر میں صرف چند بنیادی حقوق کو زیر بحث لایا جائے گا مثلاً حق زندگی، حق آزادی، حق اکرام، حق مساوات و انصاف، حق ملکیت، حق انتخاب زوج اور حق تعلیم۔ نیز ہر مذہب کے تناظر میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس مذہب کے ماننے والوں کا معاشرہ کہاں کھڑا ہے اور ان ادیان کے ماننے والے اپنے اپنے ادیان کی تعلیمات پر کتنا عمل کر رہے ہیں؟

سامی ادیان کا تعارف:

ادیان و مذاہب عالم کو دو اقسام میں منقسم کیا جاسکتا ہے؛ الہامی اور غیر الہامی۔ الہامی ادیان کو سامی ادیان یا ابراہیمی ادیان بھی کہا جاتا ہے۔ سامی ادیان کہنے کہ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان ادیان کو ماننے والے سام بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ طوفان نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے سام، حام اور یافث بوجہ ایمان نجات یافتہ قرار پائے۔ ان میں سے سام پر حضرت نوح علیہ السلام کی خصوصی توجہ تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے مرتے وقت انھیں اپنا جانشین مقرر کیا اور خصوصی فرائض سپرد کیے۔ نبوت بھی سام کو حضرت نوح علیہ السلام سے وراثت میں ملی۔ حضرت نوحؑ نے زمین کی آبادکاری کے لیے زمین کے مختلف حصے اپنی اولاد میں بانٹے تو دریائے نیل، فرات، دجلہ، سیحون اور سیجون کے علاقے سام کو عطا کیے۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کو سام بن نوح کی اولاد بتایا جاتا ہے اور سام بن نوح کی نسبت ہی سے یہ ادیان سامی ادیان کہلائے۔[8]

ان ادیان کو ابراہیمی ادیان بھی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام سام بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شجرہ نسب ابن کثیر نے یہ بیان کیا ہے: ابراہیم بن تارخ بن ناخور بن ساروغ بن راغو بن فالخ بن عابر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح۔[9]

ابن کثیر نے اس شجرہ نسب کا مصدر تورات کو بتایا ہے لیکن تورات میں ان ناموں کے بیان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تورات میں سام کی بجائے سم، ارفخشد کی بجائے ارفکسد، شالح کی بجائے سلح، عابر کی بجائے عبر، فالح کی بجائے فلج، راغو کی بجائے رعو، ساروغ کی بجائے سروج، ناخور کی بجائے نحور، تارخ کی بجائے تارح اور ابراہیم کی بجائے ابرام مذکور ہے۔[10]

بہر حال یہ بات تو طے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے اور پھر آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم حضرت محمد ﷺ تشریف لائے۔ اسی وجہ سے یہودیت، عیسائیت اور اسلام کو سامی ادیان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت کی وجہ سے ابراہیمی ادیان بھی کہا جاتا ہے۔ ان ادیان کو الہامی ادیان اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے۔ قبل از اسلام مختلف سامی ادیان میں قرب خداوندی کے لیے جو تعلیمات دی گئی تھیں ان میں افراط و تفریط اور غلو پسندی کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ رہبانیت عام ہوگئی۔ قرآن کریم میں اس کے آغاز وارتقاء کے بارے کچھ اس طرح ذکر ملتا ہے:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا[11]

ترجمہ: ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے، اور ان سب کے بعد عیسیٰؑ ابن مریم کو مبعوث کیا اور اس کو انجیل عطا کی، اور جن لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ان کے دلوں میں ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا۔ اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کرلی، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی اور پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا۔[12]

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب بادشاہوں نے انجیل میں من مانی تبدیلیاں کر لیں تو خوف خدا رکھنے والے ایک گروہ نے اپنا دین بچانے کی خاطر گوشہ نشینی اختیار کرلی اور دنیاوی لذتوں سے کنارہ کش ہوگئے۔[13]

دنیاوی لذائز میں سب سے مرغوب اور دل پسند چیز عورت ہے لہٰذا قرب خداوندی کے لیے سب سے پہلے اس سے بعد اختیار کیا گیا ۔پہلے پہل فقط عورت سے دوری اختیار کی گئی۔ رفتہ رفتہ اس دوری کے ساتھ ساتھ عورت سے نفرت کی حد تک کنارہ کشی پروان چڑھنے لگی جس نے آہستہ آہستہ یہ صورت اختیار کرلی کہ عورت کو معصیت کی جڑ اور بدی کا گھر سمجھا جانے لگا اور یہاں تک کہہ دیا گیا کہ عورت ہی نے آدم کو بہکایا اور روز محشر تک عورت مرد کو ورغلانے کا ذریعہ بنی رہے گی۔ اس طرح مرور زمانہ کے ساتھ عورتوں کی عزت میں کمی اور ان کے حقوق کے استحصال میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ عورت کے لیے مصیبت، آفت، شر وفساد، برائیوں کی جڑ اور گناہوں کا سرچشمہ جیسے ذلت آمیز القابات کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ابتداً عورت سے دوری کو تقویٰ کی علامت سمجھا گیا جس کی انتہا اس بات پر ہوئی کہ اس سے دوری اور کنارہ کشی ہی کو قرب خداوندی کا کی دلیل سمجھ لیا گیا اور پھر اسے انسانیت سے ہی گرا کر اس کے حقوق کی پامالی کا ایک تاریک اور طویل دور شروع ہو گیا۔

اسلام میں رہبانیت کو کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ اسی طرح عورتوں سے بے رغبتی کو بھی اسلام کی نظر میں ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ بخاری شریف میں مذکور ہے: جاء ثلاثة رهط إلى بيوت ازواج النبي صلى الله عليه وسلم يسالون عن عبادة النبي صلى الله عليه وسلم، فلما اخبروا كانهم تقالوها، فقالوا: واين نحن من النبي صلى الله عليه وسلم؟ قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر۔ قال احدهم: اما انا، فإني اصلي الليل ابدا، وقال آخر: انا اصوم الدهر ولا افطر، وقال آخر: انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: انتم الذين قلتم كذا وكذا، اما والله إني لاخشاكم لله واتقاكم له لكني اصوم وافطر، واصلي وارقد، واتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني ۔[14]

ترجمہ: تین لوگ امہات المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی عبادت کے متعلق دریافت کیا۔ جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے اس عبادت کو کم خیال کیا۔ کہنے لگے ہم کہاں اور نبی ﷺ کہاں۔ ہمیں آپ ﷺ سے کیا نسبت! آپ ﷺ کے تو اللہ نے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے۔ ہم لوگ گناہ گار ہیں ہمیں بہت عبادت کرنی چاہیے۔ چنانچہ ایک کہنے لگا میں آئندہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا۔ دوسرا بولا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا۔ کوئی دن بے روزہ نہ گزاروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عمر بھر عورتوں سے الگ رہوں گا نکاح ہر گز نہ کروں گا۔ اتنے میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟ سنو! خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں مگر میں روزہ بھی رکھتا ہوں، بے روزہ بھی رہتا ہوں۔ رات کو نوافل بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں۔ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو شخص میرے طریقے کو پسند نہ کرے وہ میرا نہیں۔

اسلام کے برعکس کتاب مقدس میں عورت سے دوری کو قرب الٰہی کا ذریعہ اور عورت سے قربت کو مصیبت کا سبب قرار دیتے ہوئے نکاح سے ناپسندیدگی ظاہر کی گئی ہے اور تجرد کو ترجیح دی گئی ہے جس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

"کنواریوں کے حق میں میرے پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں لیکن دیانت دار ہونے کیلئے جیسا خداوند کی طرف سے مجھ پر رحم ہوا اس کے موافق اپنی رائے دیتا ہوں۔ پس موجودہ مصیبت کے خیال سے میری رائے میں آدمی کیلئے یہی بہتر ہے کہ جیسا ہے ویسا ہی رہے۔ اگر تیرے بیوی ہے تو اس سے جدا ہونے کی کوشش نہ کر اور اگر تیرے بیوی نہیں تو بیوی کی تلاش نہ کر۔ لیکن تو بیاہ کرے بھی تو گناہ نہیں اور اگر کنواری بیاہی

جائے تو گناہ نہیں مگر ایسے لوگ جسمانی تکلیف پائیں گے اور میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں۔"[15]

"پس میں چاہتا ہوں کہ تم بے فکر رہو۔بے بیاہا شخص خداوند کی فکر میں رہتا ہے کہ کس طرح خداوند کو راضی کرے۔مگر بیاہا ہوا شخص دنیا کی فکر میں رہتا ہے کہ کس طرح اپنی بیوی کو راضی کرے۔بیاہی اور بے بیاہی میں بھی فرق ہے۔بے بیاہی خداوند کی فکر میں رہتی ہے تاکہ اس کا جسم اور روح دونوں پاک ہوں مگر بیاہی ہوئی عورت دنیا کی فکر میں رہتی ہے کہ کس طرح اپنے شوہر کو راضی کرے۔"[16]

"اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ میں اپنی اس کنواری لڑکی کی حق تلفی کرتا ہوں جس کی جوانی ڈھل چکی ہے اور ضرورت بھی معلوم ہو تو اختیار ہے اس میں گناہ نہیں۔وہ اس کا بیاہ ہونے دے۔مگر جو اپنے دل میں پختہ ہو اور اس کی کچھ ضرورت نہ ہو بلکہ اپنے ارادہ کے انجام دینے پر قادر ہو اور دل میں قصد کر لیا ہو کہ میں اپنی لڑکی کو بے نکاح رکھوں گا وہ اچھا کرتا ہے۔پس جو اپنی کنواری لڑکی کو بیاہ دیتا ہے وہ اچھا کرتا ہے اور جو نہیں بیاہتا وہ اور بھی اچھا کرتا ہے۔جب تک عورت کا شوہر جیتا ہے وہ اس کی پابند ہے پر جب اس کا شوہر مر جائے تو جس سے چاہے بیاہ کر سکتی ہے مگر صرف خداوند میں۔مگر جیسی ہے اگر ویسی ہی رہے تو میری رائے میں زیادہ خوش نصیب ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ خدا کا روح مجھ میں بھی ہے۔"[17]

اس سے معلوم ہوا کہ یہودیت اور عیسائیت میں من مانی تبدیلیوں کے سبب عورت کے بنیادی حقوق تک کو غصب کیا گیا اور اسے تحقیر کا نشانہ بنایا گیا۔یہی وجہ ہے کہ حقوق نسواں کے لیے آواز بھی مغرب کی جانب سے اٹھائی گئی اور آج کے اس ترقی یافتہ دور میں اس امر کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ عورت کو بھی معاشرے میں باعزت مقام دلوایا جائے اور اسے بھی بنیادی انسانی حقوق کا حامل قرار دیا جائے۔ذیل میں ہم سامی ادیان اور دور حاضر کے پیش کردہ عالمی منشور برائے حقوق انسانی کی روشنی میں عورتوں کو دیے جانے والے چند بنیادی انسانی حقوق کا جائزہ لیں گے۔

حق زندگی:

ہر انسان خواہ عورت ہو یا مرد کا سب سے پہلا اور بنیادی حق، حق زندگی ہے۔بنیادی انسانی حقوق میں جان کے تحفظ کو اولیت حاصل ہے۔انسان کا سب سے مقدم اور اہم حق یہ ہے کہ وہ زندہ رہے، اس کی جان ہر اعتبار سے محفوظ و مامون ہو، اسے کسی قسم کا خوف و خطر لاحق نہ ہو۔کسی دوسرے انسان حتیٰ کہ ماں باپ کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی اولاد سے جینے کا حق چھین لیں خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔

یہود و نصاریٰ کے ہاں بیٹی کی پیدائش نہایت ناپسندیدہ اور قابل شرم ہے۔بائبل میں آتا ہے:

"A son ill taught is the confusion of the father and a foolish daughter shall be to his loss. A wise daughter shall bring an inheritance to her husband: but she that confounded becometh a disgrace to her father"[18]

اگر اسلامی تعلیمات کو دیکھا جائے تو اسلام مرد کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی حق زندگی عطا کرتا ہے۔اسی لیے قرآن میں ارشاد فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ[19]

ترجمہ: جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔

اس آیت کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں کی بلکہ اس آیت کی رو سے عورت کو بھی ویسے ہی جینے کا حق ہے جیسے ایک مرد کو۔ اگر مرد بغیر کسی دلیل شرعی کے جس میں قصاص اور فساد آتا ہے، کسی عورت کو قتل کرنے کا مرتکب ہوگا تو گویا اس نے تمام انسانیت کو قتل کر دیا۔ مزید براں وہ بچی جسے زندہ گاڑ دیا گیا اس کے والدین سے اللہ تعالیٰ اس قدر ناراض ہوں گے کہ قیامت کے دن ان کی جانب نظر بھی نہیں کریں گے اور اس بچی سے پوچھا جائے گا کہ تو کس ظلم کی پاداش میں ماری گئی۔

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔[20]

وہ لوگ جو بیٹیوں کو مال کے خرچ کے ڈر سے مار دیتے تھے ان کو بھی اس فعل سے روکتے ہوئے عورت کے حقوق کا تحفظ کیا گیا۔ قرآن پاک میں آتا ہے :

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا۔[21]

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی، درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔

اسی قسم کا مضمون سورۃ انعام کی آیت 151 میں بھی ملتا ہے۔ اس آیت کی رو سے بھی عورت کے حقوق کی حفاظت کی گئی اور اسے بھی مرد کی طرح برابری کی سطح پر جینے کا حق دیا گیا۔

اس سلسلے میں عالمی منشور حقوق انسانی کی دفعہ 3 میں ہے کہ "ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق حاصل ہے۔[22]

حق آزادی:

حق زندگی کے ساتھ ساتھ حق آزادی بھی ایک انسان کا بنیادی حق ہے۔ ہر انسان اپنے ارادے اور اختیار میں آزاد ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک آزاد انسان کی آزادی سلب کر سکے۔

یہود و نصاریٰ کے ہاں عورت کا اپنا ذاتی کوئی ارادہ، اختیار، آزادی اور مقام نہیں بلکہ وہ مرد کے زیر تسلط ہے۔ عورت محکوم ہے اور مرد حاکم ہے یعنی عورت مرد کے تابع ہے۔ مرد کی پسلی سے عورت کی تخلیق کو بھی مرد کیلئے باعث افتخار اور عورت کے لیے باعث تحقیر قرار دیا گیا ہے۔ "اس لیے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے۔ اور مرد عورت کی خاطر نہیں بلکہ عورت مرد کی خاطر پیدا کی گئی ہے۔"[23]

نیز یہ کہ عورت کو آدم کو بہکانے کے عوض نہایت ملعون اور تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اسے مرد کی نسبت زیادہ تکالیف کی سزا دی گئی۔ اور اسی بہکانے کے سبب اسے خاوند کا محکوم بنا کر اس کی شخصی آزادی سلب کر لی گئی ہے۔

"پھر اس نے عورت سے کہا: میں تیرے درد حمل کو بہت بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچے جنے گی۔ اور تیری رغبت تیرے خاوند کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔ اور اس نے آدم سے کہا: چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اس درخت کا پھل کھایا جسے کھانے سے میں نے تجھے منع کیا تھا اس لیے زمین تیرے سبب سے ملعون ٹھہری تو محنت مشقت کرکے عمر بھر اس کی پیداوار کھاتا رہے گا۔"[24]

اسلام کی نظر میں مرد کی طرح عورت کو بھی اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا پورا اختیار اور آزادی حاصل ہے۔ اپنی زندگی

کے اہم فیصلوں میں وہ اپنی رائے اور مرضی کا استعمال کر سکتی ہے۔اسی بات کو قرآن پاک میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ"۔[25]

ترجمہ: اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو۔

اس آیت کا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے یوں کیا ہے کہ "اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے (مال یا جان کے) جبراً مالک ہو جاؤ۔"[26]

گویا دوسرے الفاظ میں مرد پر یہ بات حرام کی گئی ہے کہ عورت سے اس کا حق آزادی چھین لے اور اس کی زندگی کے فیصلے بھی جبراً و اکراھاً خود ہی کرتا رہے، خواہ وہ اس عورت کا باپ، بھائی یا شوہر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات تمام مردوں کے لیے یکساں کہی جارہی ہے۔اسلام نے باندی کو بھی جبراً زنا پر مجبور کرنے سے منع کیا ہے:

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[27]

ترجمہ: اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیاوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو، جبکہ وہ خود پاکدامن رہنا چاہتی ہوں۔

اگرچہ وہ مملوک ہیں لیکن ان کی جان پر مالک کو اس قدر بھی اختیار حاصل نہیں کہ انہیں کسی ایسے کام پر مجبور کرے جو شرعاً و عقلاً مذموم ہے۔اس سلسلے میں عالمی منشور حقوق انسانی کی دفعہ 4 میں ہے کہ: "کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جاسکے گا، غلامی اور بردہ فروشی چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو ممنوع قرار دی جائے گی۔"[28]

حق اکرام:

ہر انسان بحیثیت انسان مکرم و محترم ہے چاہے وہ کسی بھی طبقے اور نسل سے تعلق رکھتا ہو۔ معاشرے کا ہر فرد عزت کا حقدار ہے لہٰذا کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کی عزت پامال کرے، اس کی ہنسی اڑائے یا اسے کمتر اور حقیر جانتے ہوئے اس کی تذلیل و اہانت کرے۔

یہود و نصاریٰ کے ہاں عورت عزت و اکرام کے بنیادی حق سے محروم ہے۔ عورت خود بھی گنہگار ہے اور وہی مرد کو بھی بہکانے کا سبب ہے۔ جیسا کہ کتاب مقدس کا بیان ہے: "آدم نے کہا: جس عورت کو تونے یہاں میرے ساتھ رکھا ہے اس نے مجھے اس درخت کا کچھ پھل دیا اور میں نے اسے کھالیا۔تب خداوند نے عورت سے کہا: تونے یہ کیا کیا؟ عورت نے کہا: سانپ نے مجھے بہکایا اور میں نے کھایا۔"[29]

یہود و نصاریٰ میں عورت کے ازلی گناہ گار ہونے کے ساتھ ساتھ یہ تصور بھی پایا جاتا ہے کہ عورت سے کبھی کوئی خیر نہیں پھوٹ سکتی۔ عورت ازل سے گناہ گار ہے اور ابد تک گناہ گار ہی رہے گی۔ "میں ابھی تلاش کر رہا تھا لیکن پا نہیں رہا تھا۔تو میں نے ہزاروں میں ایک راست مرد کو پایا لیکن ان تمام میں ایک بھی راست عورت نہ تھی۔"[30]

عورت کے شر سے بچنے کے لیے بھی بہت سی ہدایات دی گئی ہیں جن میں عورت کا مقام اور مرتبہ گراتے ہوئے اسے ایک حقیر تر مخلوق ثابت کیا گیا ہے۔ "تب مجھے پتہ چلا کہ وہ عورت موت سے بھی تلخ تر ہے، جو خود ایک پھندا ہے اور جس کا دل ایک جال ہے اور جس کے ہاتھ زنجیریں ہیں۔ وہ آدمی جو خدا کو خوش رکھتا ہے، اس سے بچا رہے گا، لیکن گنہگار کو وہ اپنے جال میں پھنسا لے گی۔"[31]

تمام تر انسانی حقوق کی بنیاد اس ایک حق، حق اکرام پر ہے۔جب تک تمام انسانیت کو حق اکرام سے نوازا نہ جائے انسانی حقوق کی ادائیگی ناممکن ہے۔اس سلسلے میں اسلام کی نظر میں تمام بنی آدم مکرم ہیں جس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔اس سلسلے میں ارشاد ہے:

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔[32]

ترجمہ: (یہ تو ہماری عنایت ہے کہ) ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی۔

اس آیت کی رو سے بلا تفریق مرد و عورت دونوں کو عزت و اکرام سے نوازا گیا ہے۔دوسری جانب بلا امتیاز جنس عزت کا معیار تقویٰ کو بتایا گیا ہے۔تقویٰ رکھنے والا خواہ مرد ہو یا عورت، اللہ کے نزدیک یکساں مکرم و محترم ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ۔[33]

ترجمہ: درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

اس سلسلے میں عالمی منشور حقوق انسانی کی دفعہ 5 میں ہے کہ "کسی شخص کو جسمانی اذیت یا ظالمانہ، انسانیت سوز یا ذلیل سلوک یا سزا نہیں دی جائے گی۔[34]"

حق مساوات و انصاف:

انسان کے بنیادی حقوق میں سے ایک حق، حق مساوات بھی ہے یعنی قانون کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔جرم و سزا میں کسی طاقتور کو کسی کمزور پر کوئی برتری حاصل نہیں۔کوئی شخص خواہ امیر ہو یا غریب، صاحب منصب ہو یا عام آدمی، عورت ہو یا مرد، ہم مذہب ہو یا غیر مذہب سب سے یکساں معاملہ کیا جائے گا۔

یہود و نصاریٰ کے ہاں مرد و زن میں عدم مساوات نظر آتی ہے مثلاً بچہ کی پیدائش کے بعد طہارت حاصل کرنے کے ذیل میں ان کے ہاں یہ بات ملتی ہے کہ اگر عورت لڑکا جنتی ہے تو وہ جلدی پاک ہو جاتی ہے اور اگر وہ لڑکی جنتی ہے تو اس لڑکی کی وجہ سے وہ لڑکے کی نسبت دیر سے پاک ہوتی ہے۔گویا یہاں بھی عورت کو ناپاکی کی علامت سمجھتے ہوئے عزت و اکرام اور مساوات کے بنیادی حق سے محروم کر دیا گیا۔

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل سے کہہ کہ اگر کوئی عورت حاملہ ہو اور وہ لڑکا جنے تو سات دن تک ناپاک سمجھی جائے گی جیسے کہ وہ حیض کے ایام کے دوران ناپاک رہتی ہے۔اور آٹھویں دن اس لڑکے کا ختنہ کیا جائے۔اور پھر وہ عورت خون کے جریان سے پاک ہونے کے لیے تینتیس دن تک انتظار کرے اور لازماً وہ اپنی طہارت کے دن پورے ہونے تک کسی مقدس چیز کو ہرگز نہ چھوئے اور نہ ہی مقدس میں جائے اور اگر وہ ایک لڑکی کو جنے تو وہ عورت دو ہفتوں تک ناپاک سمجھی جائے گی۔جیسے کہ حیض کے ایام کے دوران۔اور پھر وہ جریان خون سے صاف ہونے کے لیے چھیاسٹھ دن تک انتظار کرے۔"[35]

تکریم انسانیت کا تقاضا ہے کہ انسانوں کے درمیان معاشرتی مساوات قائم ہو۔اسلام مرد اور عورت کے درمیان کسی قسم کی برتری یا کم تری کا قائل نہیں۔اسی تعلیم کا بین ثبوت یہ حدیث پاک ہے کہ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بیویوں کے حقوق کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ان تطعمها اذا طعمت، وتكسوها اذا اكتسيت او اكتسبت، ولا تضرب الوجه، ولا تقبح، ولا تهجر الا في البيت[36]

ترجمہ: جب تو کھانا کھائے تو اس کو کھلا، اور جب کپڑا پہنے تو اس کو پہنا، اور اس کے منہ پر نہ مار اور برامت کہہ اور سوائے گھر کے اس سے جدا مت رہ۔

اسلام کی نظر میں ایک عورت بھی انصاف کی اسی طرح حقدار ہے جیسے کہ ایک مرد۔ قرآن کریم میں ایک سے زائد بیویوں کے درمیان بھی عدل کو لازم قرار دیا ہے اور عدل نہ کر سکنے کی صورت میں ایک ہی شادی کا حکم دیا ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا۔[37]

ترجمہ: اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضے میں آئی ہیں، بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قرین صواب ہے۔

اس سلسلے میں عالمی منشور حقوق انسانی کی دفعہ 6 اور 7 میں ہے کہ "ہر شخص کا حق ہے کہ ہر مقام پر قانون اس کی شخصیت کو تسلیم کرے۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر اماں پانے کے برابر حقدار ہیں۔"[38]

حق انتخاب زوج:

ہر انسان اپنے مزاج اور پسند کے مطابق اپنے شریک حیات کا انتخاب کرنے میں آزاد ہے اور کسی کو اس حق کو سلب کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ یہ بنیادی انسانی حقوق میں سے ایک ایسا حق ہے جو بلا تفریق رنگ، نسل و جنس ہر انسان کو حاصل ہے کہ وہ اپنے معیار کے مطابق اپنے لیے شریک حیات منتخب کرے۔ اس میں مرد عورت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

یہود و نصاریٰ کے ہاں عورت کو اپنے لیے شریک زندگی منتخب کرنے کا کوئی اختیار نہیں اور اگر ایک بار کسی سے نکاح ہو گیا پھر حالات خواہ کچھ بھی ہوں وہ عورت اپنے شوہر کو چھوڑ نہیں سکتی۔ فطرت انسانی کے پیش نظر عین ممکن ہے کہ مرد اور عورت میں طبائع کے تفاوت کی بنا پر اکٹھے رہنا ممکن نہ ہو۔ اس صورت میں عورت کے لیے کوئی متبادل نظر نہیں آتا جس سے عورت کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑے گی تو اسی سے رجوع کرنا لازم ہے، کسی اور سے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ نیز یہ کہ بیوہ کے نکاح کو بھی پسند نہیں کیا گیا جس میں سراسر عورت کے حقوق کی پامالی نظر آتی ہے۔

"مگر جن کی شادی ہو چکی ہے انھیں میں نہیں بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو نہ چھوڑے۔ اگر اسے چھوڑتی ہے تو بے نکاح رہے یا اپنے شوہر سے پھر میل کر لے اور شوہر بھی اپنی بیوی کو نہ چھوڑے۔"[39]

"بیوی اپنے شوہر کے جیتے جی اس کی پابند ہے لیکن اس کی موت کے بعد وہ جس سے چاہے دوسری شادی کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ شخص مسیحی ہو مگر میری رائے یہ ہے کہ اگر وہ بیوہ ہی رہے تو زیادہ خوش رہے گی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات پاک روح نے میرے دل میں ڈالی ہے"[40]

اگر مرد عورت کو طلاق دیتا ہے تو طلاق دیتے ہی اس قدر انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے کہ اسے فوراً گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ دوران عدت نفقہ اور سکنیٰ مرد کی ذمہ داری نہیں سمجھا جاتا۔ یہاں ایک عورت کو ایک جانور سے بھی کم تر مقام دیا گیا ہے۔ ایک جانور کو بھی جب چھوڑا جاتا ہے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایسی جگہ چھوڑا جائے جہاں اس کے چرنے چگنے کا انتظام موجود ہو جب کہ عورت کے سلسلے میں بنیادی انسانی حقوق کو بھی نظرانداز کر دیا گیا ہے نیز یہ کہ اگر عورت کسی اور مرد سے شادی کر لیتی ہے تو وہ ناپاک قرار پاتی ہے اور پہلا شوہر اس سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔

"اگر کوئی مرد کسی عورت سے شادی کرلے لیکن بعد کو اس کی کسی ناشائستہ حرکت کے باعث اس کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو وہ طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کر دے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اور اس کا گھر چھوڑنے کے بعد وہ کسی اور آدمی کی بیوی بن جائے اور اس کا دوسرا خاوند بھی اسے ناپسند کرے اور طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے، یا وہ خود مر جائے تب اس عورت کا پہلا خاوند، جس نے اسے طلاق دی تھی اس عورت کے ناپاک ہو جانے کے بعد دوبارہ اس سے بیاہ نہ کرنے پائے، کیونکہ ایسا کام خداوند کے نزدیک مکروہ ہے۔ تم اس ملک کو جسے خداوند تمہارا خدا تمہیں میراث کے طور پر دے رہا ہے، گنہگار نہ بنانا۔"[41]

اسلام ایک عورت کو اپنے شریک حیات کے انتخاب کا پورا پورا حق فراہم کرتا ہے اور عورت کے ولی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ عورت کی ناپسندیدگی کو نظرانداز کر کے اپنی مرضی سے جہاں چاہے اس کا نکاح کر دے۔

عن ابن بريدة، عن ابيه قال: جاءت فتاة الى النبى ﷺ فقالت: انى ابى زوجنى ابن اخيه ليرفع بى خسيسته۔ قال، فجعل الامر اليها۔ فقالت: قد اجزت ما صنع ابى۔ ولكن اردت ان تعلم النساء ان ليس الى الآباء من الامر شىء۔[42]

ترجمہ: بریدہ بن حصیبؓ کا بیان ہے کہ ایک نوجوان لڑکی نے نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے تاکہ وہ میرے ذریعے سے اپنی خستہ حالی کا ازالہ کر سکے۔ تو نبی ﷺ نے اسے (نکاح فسخ کرنے کا) اختیار دے دیا۔ اس نے کہا: (اب) میں اپنے والد کے کیے ہوئے نکاح کو قبول کرتی ہوں۔ میں یہ چاہتی تھی کہ عورتوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے آباء (واجداد) کو (نکاح کے سلسلے میں جبر کرنے کا) کوئی اختیار نہیں۔

لا تنكح ايم حتى تستامر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن۔[43]

ترجمہ: بیوہ عورت کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے صاف صاف زبان سے اجازت نہ لی جائے۔ اسی طرح باکرہ کا بھی نکاح نہ کیا جائے جب تک وہ اذن نہ دے۔

باکرہ کا اذن یہی ہے کہ وہ سن کر چپ ہو جائے جیسا کہ ایک اور حدیث میں بھی صراحت ملتی ہے:

الأيم احق بنفسها من وليها، والبكر تستأمر، و اذنها سكوتها۔[44]

ترجمہ: بیوہ عورت اپنے نکاح میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری سے اس کے نکاح میں اجازت لی جائے اور اجازت اس کی چپ رہنا ہے۔

اس سلسلے میں عالمی منشور حقوق انسانی کی دفعہ 16 میں ہے کہ "بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت یا

مذہب کی بناپر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔"[45]

یہاں اسلام انتخاب زوج کے سلسلے میں عالمی منشور برائے حقوق انسانی کی اس دفعہ کے برعکس مذہب کی قید لگاتا ہے کہ مسلمان مرد تو کتابیہ عورت سے نکاح کرسکتا ہے لیکن مسلمان عورت اہل کتاب مرد سے نکاح نہیں کرسکتی۔ اس کے علاوہ مسلمان مرد اور عورتیں مشرک مرد اور عورتوں سے نکاح نہیں کرسکتے۔ اسی طرح فسخ نکاح میں بھی طلاق کا حق اسلام مرد کو دیتا ہے جبکہ نباہ نہ ہونے کہ صورت میں اگر مرد طلاق دینے پر رضامند نہ ہو تو اسلام کی نظر میں عورت خلع کا حق رکھتی ہے۔ ہاں ایک اور صورت ہے جس میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح کردیا جائے اور بالغ ہونے پر وہ اس نکاح پر راضی نہ ہو تو اسے نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔[46]

حق ملکیت:

ہر شخص اپنی متعلقات پر ملکیت کا پورا پورا حق رکھتا ہے خواہ وہ کسی رنگ، نسل، جنس سے تعلق رکھتا ہو۔ ہر انسان اپنی کمائی میں تصرف کرنے کا پورا پورا اختیار رکھتا ہے۔ کوئی فرد صرف اس بناپر کہ وہ کمزور ہے، یا کم عمر یا کم عقل ہے اپنے مال میں تصرف سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی دوسرا شخص یا حکومت اس کے حق ملکیت کو غصب نہیں کرسکتی۔

اہل کتاب میں عورت معاشی طور پر مرد پر منحصر ہوتی ہے اور وراثت میں جائیداد میں حصہ نہیں پاتی۔ اگر کسی عورت کو شاذونادر کوئی مال مل بھی جاتا ہے تو اس کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ہی کسی مرد سے شادی کرلے تاکہ اس کا مال خاندان اور قبیلے کے اندر ہی رہے اس کی مثال کتاب مقدس کے ایک بنی اسرائیلی شخص صلافحاد کے واقعے سے سمجھی جاسکتی ہے جس کی پانچ بیٹیاں ہی تھیں اور بیٹا کوئی نہیں تھا۔

"خداوند نے ہمارے مالک کو حکم دیا تھا کہ قرعہ ڈال کر یہ ملک میراث کے طور پر بنی اسرائیل کو دینا اور ہمارے مالک کو خداوند کی طرف سے حکم ملا تھا کہ ہمارے بھائی صلافحاد کی میراث اس کی بیٹیوں کو دی جائے۔ لیکن اگر وہ بنی اسرائیل کے اور قبیلوں کے آدمیوں سے بیاہی جائیں تو ان کی میراث ہمارے باپ دادا کی میراث سے نکل کر اس قبیلے کی میراث میں شامل کی جائے گی جس میں وہ بیاہی جائیں گی یوں وہ ہمارے قرعہ کی میراث سے الگ ہو جائے گی۔ اور جب بنی اسرائیل کا سال یوبلی آئے گا تو ان کی میراث اسی قبیلہ کی میراث سے ملحق کی جائے گی جس میں وہ بیاہی جائیں گی۔ یوں ہمارے باپ دادا کے قبیلے کی میراث سے ان کا حصہ نکل جائے گا۔ تب موسیٰ نے خداوند کے کلام کے مطابق بنی اسرائیل کو حکم دیا اور کہا کہ بنی یوسف کے قبیلے کے لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ سو صلافحاد کی بیٹیوں کے حق میں خداوند کا حکم یہ ہے کہ وہ جن کو پسند کریں ان ہی سے بیاہ کریں لیکن اپنے باپ دادا کے قبیلہ ہی کے خاندانوں میں بیاہی جائیں۔ یوں بنی اسرائیل کی میراث ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں نہیں جانے پائے گی کیونکہ ہر اسرائیلی کو اپنے باپ دادا کے قبیلہ کی میراث کو اپنے قبضہ میں رکھنا ہوگا۔ اور اگر بنی اسرائیل کے کسی قبیلہ میں کوئی لڑکی ہو جو میراث کی مالک ہو تو وہ اپنے باپ کے قبیلہ کے کسی خاندان میں بیاہ کرے تاکہ ہر اسرائیلی اپنے باپ دادا کی میراث پر قائم رہے۔ یوں کسی کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی کیونکہ بنی اسرائیل کے قبیلوں کو لازم ہے کہ اپنی اپنی میراث اپنے اپنے قبضہ میں رکھیں۔ اور صلافحاد کی بیٹیوں نے جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا ویسا ہی کیا۔[47]

اسلام عورت کو اپنی ملکیت میں مال رکھنے اور اس میں تصرف کرنے کا پورا پورا حق دیتا ہے۔ مزید یہ کہ اسلام عورت کو وراثت کے مال میں بھی حصہ دار بناتا ہے اور کسی اور کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اس سے یہ حق چھین لے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا[48]

ترجمہ: مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا، خواہ تھوڑا ہو یا بہت، اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔

اس سلسلے میں عالمی منشور حقوق انسانی کی دفعہ 17 میں ہے کہ "ہر انسان کو تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل کر جائیداد رکھنے کا پورا حق ہے۔ کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔[49]"

حق تعلیم:

بنیادی تعلیم کا حصول ایک انسان کے بنیادی حقوق میں سے اہم ترین حق ہے۔ کسی انسان کو رنگ، نسل یا جنس کی بنا پر اس بنیادی حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

اہل کتاب کے ہاں عورت کو تعلیم حاصل کرنے کے حق میں بھی بہت سی پابندیوں کا سامنا ہے۔ وہ وہی تعلیم حاصل کر سکتی ہے جو مرد اس کے لیے تجویز کرے گا۔ مزید یہ کہ اسے اپنی تعلیم آگے دینے کا کوئی حق حاصل نہیں اور اس کی بنیادی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ عورت نے ازل سے مرد کو بہکایا اور اسے جنت سے نکلوانے کا سبب بنی۔

"عورت کو چاہیے کہ وہ چپ چاپ پوری فرمانبرداری کے ساتھ تعلیم پائے۔ میں عورت کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ تعلیم دے یا مرد پر حکم چلائے بلکہ چپ چاپ رہے۔ کیونکہ آدم پہلے بنایا گیا، بعد میں حوا اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گنہگار ہوئی۔"[50]

اسلام عورت کو بھی مرد کی مانند تعلیم حاصل کرنے کا پورا پورا حق فراہم کرتا ہے بلکہ والدین کو اس بات پر اجر کا مستحق بھی قرار دیتا ہے کہ وہ اپنی اولاد خصوصاً بیٹیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں۔ حدیث پاک میں آتا ہے: طلب العلم فريضة على كل مسلم۔[51]

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد عورت) پر فرض ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

من عال ثلاث بنات فأدبهن، وزوجهن، واحسن اليهن، فله الجنة۔[52]

ترجمہ: جس نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، پھر انھیں اچھی تعلیم و تربیت دے کر ان کی شادی کر دی اور ان سے اچھا سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔

اس سلسلے میں عالمی منشور حقوق انسانی کی دفعہ 26 میں ہے کہ "ہر شخص کو تعلیم کا حق حاصل ہے۔ تعلیم مفت ہو گی۔ کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں۔[53]"

اس کے علاوہ کئی اور حقوق بھی ہیں لیکن سب سے اہم اور بنیادی حقوق بلا اختلاف یہی ہیں۔ باقی تمام حقوق انہی حقوق کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ان تمام حقوق کے سلسلے میں ایک بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ تمام حقوق ہر انسان کے بنیادی حقوق ہیں۔اس ضمن میں امیر غریب، کمزور طاقتور، حاکم محکوم کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور خاص طور پر مرد اور عورت میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں پائی جاتی۔ تمام انسان ان بنیادی حقوق میں یکساں حصہ دار ہیں۔ کسی کو اس بنا پر ان حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی اور جنس، نسل، علاقے یا طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان حقوق کے سلسلے میں کوئی امتیازی سلوک روا رکھنا انسان کے بنیادی حقوق کا استحصال کرنا ہے اور اسے اس کے بنیادی انسانی حقوق سے محروم کرنا ہے۔ خواتین چونکہ معاشرے کا کمزور طبقہ ہیں لہٰذا ان کے حقوق کی پامالی اور حق تلفی ایک عام سی بات ہے۔اس سلسلے میں عالمی منشور حقوق انسانی کی دفعہ ۱ اور ۲ میں ہے کہ "تمام انسان آزاد اور عزت اور حقوق کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے اس لیے انھیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارہ کا سلوک کرنا چاہیے۔ ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قوم، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔[54]"

سامی ادیان کو زمانی ترتیب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سب سے قدیم ترین یہودیت ہے، اس کے بعد عیسائیت اور پھر اسلام ہے۔ جہاں تک یہودیت اور عیسائیت کا تعلق ہے تو اس ساری علمی بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان مذاہب کو ماننے والوں نے ہر طرح سے عورت کو دبایا اور اسے اس کے بنیادی حقوق تک سے محروم کر دیا جب کہ آج یہی لوگ حقوق نسواں کے علمبردار بنے نظر آتے ہیں اور انہی کی جانب سے عالمی منشور برائے حقوق انسانی بھی جاری ہوا جس میں مرد و زن کی تخصیص کے بغیر سب کو یکساں حقوق کا حامل قرار دیا گیا حالانکہ ان کی اپنی مذہبی کتابوں میں اس کی نفی موجود ہے۔ان کے ہاں تخلیق کے آغاز سے ہی مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے جیسا کہ کتاب مقدس میں ہے:

"میں چاہتا ہوں کہ تم یہ بھی یاد رکھو کہ ہر مرد کا سر مسیح ہے اور عورت کا سر مرد ہے اور مسیح کا سر خدا ہے۔"[55]

دراصل مغرب نے رہبانیت کی ایجاد کے بعد اپنے ادیان میں من مانی تبدیلیوں کے سبب عورتوں سے انتہائی امتیازی سلوک روا رکھتے ہوئے انہیں ان کے مناسب مقام سے محروم رکھا لہٰذا جب پوری دنیا میں بنیادی انسانی حقوق کا پرچار کیا گیا تو لازماً عورت کے حقوق کے لیے بھی آواز اٹھائی گئی۔اس دوران عورتوں کو اس قدر امتیازات کا سامنا کرنا پڑا تھا کہ اس کا نتیجہ ایک آؤٹ برسٹ کی صورت میں نکلا اور عورت کے حقوق کی بوچھاڑ ہو گئی جس میں مذہب و دین سے مادر پدر آزادی کے حصول کی سر توڑ کوششیں کی گئی اور یہ کوششیں تاحال جاری ہیں۔اس کا بین ثبوت میرا جسم میری مرضی کا نعرہ ہے۔اس نعرے کا اگر اسلامی تعلیمات اور اسلام میں عورتوں کو دیے جانے والے حقوق کی روشنی میں علمی محاسبہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی شریعت میں عورت کی مخصوص حقوق کے ساتھ ساتھ محدود مقید آزادی کا مغربی طرز فکر اور مادر پدر آزادی سے کوئی مقابلہ اور موازنہ ہی نہیں ہے بلکہ اگر صحیح معنوں میں ایک اسلامی قانون اور قاعدے کے تحت عورتوں کو ان کے مناسب حقوق ادا کیے جائیں تو یہ نعرہ سراسر مرد کے حقوق پر کاری ضرب لگاتا ہے۔اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو عورتوں کو بھی ویسے ہی بنیادی حقوق سے نوازتا ہے جیسے کہ مردوں کو حاصل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔[56]

ترجمہ: عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔

مرد اور عورت کے حقوق میں خالق نے ایک حسن اعتدال رکھا ہے۔ جس طرح ہر مشین کا ایک خاص کام اور خاص مقصد ہے بالکل اسی طرح خالق کی تمام مخلوقات کا اپنا مقصد اور کام کا دائرہ کار ہے۔ اگرچہ مرد اور عورت کے کام کے دائرہ کار میں فرق پایا جاتا ہے لیکن مرد اور عورت بلا تفریق جنس حقوق میں یکساں طور پر حصہ دار ہیں۔ اس سلسلے میں ابتدائے آفرینش سے قدرت کا قانون یہ ہے کہ خالق نے مرد اور عورت میں کسی قسم کا تفاوت روا نہیں رکھا۔ جب اولین انسان حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور وہ تنہائی سے اداس ہوئے تو خالق نے اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا تاکہ وہ اس سے انس حاصل کرے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :

یا ایھا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا۔ [57]

ترجمہ: لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان (آدمؑ) سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا (حواؑ) بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا [58]

ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔

انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جنت میں رکھا اور اس سلسلے میں بھی مرد اور عورت میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔ جو مقام جنت حضرت آدم علیہ السلام کو ملا وہی مقام اور مرتبہ حضرت حوا علیہ السلام کو عطا کیا گیا۔ اس سلسلے میں قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ [59]

ترجمہ: پھر ہم نے آدمؑ سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی، دونوں جنت میں رہو اور یہاں بفراغت جو چاہو کھاؤ، مگر اس درخت کا رخ نہ کرنا ورنہ ظالموں میں شمار ہوگے۔

اس آیت مبارکہ میں تثنیہ کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے مرد اور عورت دونوں کے ساتھ برابری کا معاملہ کیا گیا ہے۔ جنت میں داخل کرنے کے بعد جو نعمتیں مرد کو دی گئیں وہی نعمتیں عورت کے حصے میں بھی آئیں۔ دونوں کو حکم دیا گیا کہ جنت کے جس حصے سے جو چاہیں کھائیں۔ اس سلسلے میں مرد کو کسی قسم کی برتری اور فضیلت عطا نہیں کی گئی۔ اسی طرح جو درخت عورت کے لیے ممنوع قرار دیا گیا وہی درخت مرد کے لیے بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ اور نافرمانی کی صورت میں دونوں کے لیے ایک ہی انجام سے ڈرایا گیا۔ پھر جب شیطان کے انھیں بہکانے کا ذکر آتا ہے تب

بھی تثنیہ کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے باری تعالیٰ بتاتے ہیں کہ دونوں ہی سے غلطی ہوئی برخلاف ان لوگوں کے جو کہتے ہیں کہ عورت شیطان کے بہکاوے میں آئی اور اس نے مرد کو بہکایا۔اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے قرآن پاک میں آتا ہے:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪۔[60]

ترجمہ: آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور ان دونوں کو اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ دونوں تھے۔۔۔

ایک اور مقام پر اسی واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔[61]

ترجمہ: پھر شیطان نے ان دونوں کو بہکایا تاکہ ان دونوں کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے۔اس نے ان دونوں سے کہا کہ تم دونوں کے رب نے جو تم دونوں کو اس درخت سے روکا ہے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا تم دونوں کو ہمیشہ کی زندگی حاصل نہ ہو جائے۔اور اس نے قسم کھا کر ان دونوں سے کہا کہ میں تم دونوں کا سچا خیر خواہ ہوں۔اس طرح وہ دھوکا دے کر ان دونوں کو رفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا۔آخر کار جب ان دونوں نے اس درخت کا مزہ چکھا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ دونوں اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔تب ان دونوں کے رب نے ان دونوں کو پکارا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے نہ روکا تھا اور نہ کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟ دونوں بول اٹھے: اے رب ہم نے اپنے اوپر ستم کیا، اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔فرمایا: اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اور تمہارے لیے ایک خاص مدت تک زمین ہی میں جائے قرار اور سامان زینت ہے۔

غلطی کی صورت میں دونوں کو ایک ہی سزا دی گئی۔دونوں کے کپڑے اتر گئے اور دونوں ہی جنت کے پتوں سے خود کو ڈھانپنے لگے۔

مزید براں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دونوں کو ایک ساتھ سرزنش کی، دونوں نے معافی مانگی اور دونوں ہی کو جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا۔

جس طرح قدرت کا قانون سزا عورت اور مرد کے حق میں برابر ہے بالکل اسی طرح جزا میں بھی عورت اور مرد میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے :

لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ[62]

ترجمہ: میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔

پس ثابت ہوا کہ خالق نے عورت اور مرد کو برابر کے حقوق دے کر اس دنیا میں بھیجا ہے اور ابتدائے آفرینش سے قدرت کا یہی قانون ہے۔اسی طرح ماں کے پیٹ میں بچہ بننے کا عمل بھی دیکھا جا سکتا ہے، جس میں مرد اور عورت میں کوئی تخصیص نہیں۔ دونوں ایک ہی عمل سے گزر کر معرض وجود میں آتے ہیں۔اس سب کے باوجود ہر دور اور ہر معاشرے میں عورت کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کیا جاتا رہا ہے۔اسلام نے آکر عورت کو معاشرے میں ایک باعزت مقام دلایا۔اس معاشرے میں جہاں اس سے جینے تک کا حق چھین لیا گیا تھا،اسلام نے آکر اسے اس کے بنیادی انسانی حقوق مثلاً حق زندگی اور حق تعلیم وغیرہ سے روشناس کروایا۔اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے اس کے دیگر حقوق کی بھی حفاظت کی جن میں معاشی حقوق مثلاً نان نفقہ، مہر اور وراثت وغیرہ، تمدنی حقوق مثلاً انتخاب زوج کا حق، خلع کا حق اور حسن معاشرت کا حق وغیرہ اور معاشرتی حقوق مثلاً آزادی رائے کا حق وغیرہ شامل ہیں۔[63]

مغرب کے پیش کردہ عالمی منشور برائے حقوق انسانی میں عورت کو دیے جانے والے حقوق کا اسلام کے خاندانی نظام سے تقابل کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جدید مغربی تصور حقوق انسانی عورت کو نکاح اور اس کے نتیجے میں بننے والے خاندانی نظام میں مرد کے برابر حقوق عطا کرتا ہے جو کہ اسلام کے خاندانی نظام کے تصور سے ٹکراتا ہے۔اسلام میں مرد اور عورت کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے اور ہر ایک اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے فرائض کی ادائیگی اور حقوق کے حصول کا پابند ہے۔اسلام عورت کو اس کی زندگی کے ہر مرحلے پر (پیدائش سے بلوغت تک، بلوغت سے نکاح تک، نکاح کے بعد بحیثیت بیوی اور بچوں کی پیدائش کے بعد بحیثیت ماں) مختلف، متنوع اور متفرق حقوق عطا کرتا ہے۔[64]

حاصل کلام:

الغرض ایک انسان کے بنیادی حقوق میں سے اہم ترین حقوق، حق زندگی، حق آزادی، حق اکرام، حق مساوات و انصاف، حق انتخاب زوج، حق ملکیت اور حق تعلیم ہیں جو بغیر کسی رنگ، نسل، جنس کی تخصیص کے تمام انسانوں کو یکساں حاصل ہونے چاہیے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی جنگل کا قانون اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق طاقتور بزور ان حقوق کو حاصل کرتا ہے اور کمزور کو ان حقوق سے محروم کرنے کی بھرپور سعی کرتا ہے۔ موجودہ صورتحال اس نام نہاد اقوام متحدہ اور اس کے بنائے گئے قوانین کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ ہے۔ان قوانین کا اور اس اقوام متحدہ کے ادارے کا مقصد ہی فوت ہو گیا جب طاقتور آج بھی وہی کچھ کر رہا ہے۔دراصل بات یہ ہے کہ جب انسان قوانین بناتے ہیں تو قوانین تو بن جاتے ہیں لیکن ان کے پیچھے کوئی ایسی قوت نافذہ اور کوئی ایسا محرک موجود نہیں ہوتا جو ان قوانین پر عمل درآمد میں مددگار ہو سکے۔اسلام کا حسن ہی یہ ہے وہ نہ صرف قوانین مہیا کرتا ہے بلکہ ان قوانین کے پیچھے ایک احساس جوابدہی بھی موجود ہوتا ہے جو ان قوانین کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لیے بطور قوت نافذہ کام کرتا ہے۔

اگر انسانی حقوق کے جدید مغربی تصور پر نظر ڈالی جائے اور اس کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ جو انسانی حقوق مغرب نے سالوں کی مشقت کے بعد اپنے تجربات کے نتیجے میں اور اپنے نام نہاد مفکرین کے انتہائی غور و فکر کے بعد متعین کیے ہیں اسلام نے وہی حقوق بلکہ اس سے کہیں زیادہ حقوق انسانیت کو جس میں مرد و زن سب شامل ہیں اس سے کئی سو سال پہلے عطا کیے ہیں۔ مثلاً حق زندگی، حق آبرو، حق حفاظت مال، حق مساوات، حق انفرادی آزادی، حق آزادی مذہب، حق آزادی رائے، حق تعلیم، حق ملکیت،

معاشرتی و معاشی حقوق وغیرہ۔ان حقوق کے ساتھ ساتھ بنیادی انسانی حقوق کے سلسلے میں بعض ایسے امتیازات اور خصوصیات ہیں جو صرف اور صرف اسلام ہی عطا کرتا ہے اور جدید مغربی تصور حقوق انسانی ان خصوصیات و امتیازات کو پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مثلاً اسلام کا منفرد تصور حریت و آزادی، عدل و انصاف کا قیام، منفرد تصور مساوات مرد و زن، قابل عمل حقوق، مثالی خاندانی نظام، احساس ذمہ داری، حقوق کا اخروی پہلو اور اسلامی تعلیمات میں حقوق انسانی کو حاصل خصوصی تحفظ وغیرہ۔ یہ تمام وہ پہلو ہیں جن کی وجہ سے اسلامی تصور حقوق انسانی مغرب کے جدید تصور حقوق انسانی سے بدرجہا بہتر قرار پاتا ہے۔[65]

بایں ہمہ بہت سے نکات ایسے بھی ہیں جو مغربی تصور حقوق انسانی اور اسلامی تصور حقوق انسانی میں اختلافی ہیں مثلاً حقوق میں مساوات، غلامی کا کلیتاً خاتمہ، غیر انسانی سزاؤں کا خاتمہ، خاندانی نظام میں مرد و زن کے مساوی حقوق، مادر پدر آزاد آزادی اظہار رائے وغیرہ۔[66]

عورت چونکہ معاشرے کا کمزور طبقہ ہے لہٰذا اس کے حقوق کی جنگ زمانہ قدیم سے جاری ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ عرصہ دراز سے عورت مظلوم چلی آرہی ہے۔ دنیا کا کوئی خطہ اور کوئی تہذیب ایسی نہیں جس میں عورت پر ظلم نہ کیا گیا ہو۔ ہر دور میں اس کے وجود کو باعث ننگ و عار سمجھا گیا اور انتہائی غیر انسانی سلوک کا مستحق قرار دیا گیا۔ دنیا کی زیادہ تر تہذیبوں میں عورت کی کوئی سماجی حیثیت نہیں رہی۔ قبل از اسلام کے زمانہ جاہلیت میں بھی عورت کو ایک ناپسندیدہ مخلوق کا درجہ حاصل رہا ہے۔ اسے حقارت سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کے کوئی معاشی و سیاسی حقوق نہ تھے۔ اس کا درجہ ایک محکوم کا سا تھا۔ وہ پہلے باپ کی، پھر شوہر کی اور اس کے بعد اولاد نرینہ کے تابع سمجھی جاتی تھی۔ اس کو کسی قسم کی شخصی آزادی حاصل نہ تھی۔ اس ضمن میں مختلف مذاہب کی تعلیمات کا علمی اور تحقیقی جائزہ لیا جا چکا ہے۔ تمام مذاہب کسی نہ کسی صورت میں عورت کے کچھ نہ کچھ حقوق ضرور متعین کرتے ہیں اور اسلام خصوصاً عورت کو اس کے بنیادی حقوق عطا کرتا ہے۔ مگر ان تمام ادیان بشمول اسلام کے ماننے والوں میں ان حقوق کی پامالی ایک عام بات خیال کی جاتی ہے۔ بلکہ اس سے کہیں آگے بڑھ کر اسے اس سلوک کا مستحق گردانا جاتا ہے۔ سامی مذاہب (بالخصوص یہودیت و عیسائیت) جنہیں الہامی مذاہب کا درجہ حاصل ہے، ان کے ماننے والوں میں بھی عورت کو باعزت مقام حاصل نہیں۔ اسے گناہ کا سرچشمہ اور معصیت کا دروازہ سمجھا جاتا ہے۔ اس سے تعلق رکھنا روحانی ترقی میں رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسانیت کے لیے تکریم، وقار اور حقوق کے تحفظ کا ضامن ہے، جس نے عورت پر احسان عظیم کیا اور اس کو ذلت اور پستی کے گڑھوں سے نکالا جب کہ وہ اس کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اسلام نے اس زندہ مدفون عورت کو صحیح معنوں میں زندگی عطا کی اور اس کی فطرت کے مطابق اس کو ذمہ داریاں سونپیں۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جو عورت پر کیے جانے والے ظلم و ستم اور حقوق کی پامالی کا مداوا کرتا ہے۔ اسلام عورت کو معاشرے میں ایک باعزت اکائی تصور کرتا ہے۔ اس کے بنیادی حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے ساتھ کسی بھی قسم کے امتیازی سلوک کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کا یہ احسان ہے کہ اس نے پہلی بار عورت کو وہ حقوق دیے جس سے وہ عرصہ دراز سے محروم چلی آرہی تھی۔ اور سب سے خوبصورت بات یہ ہے کہ یہ حقوق اسلام نے اس لیے نہیں دیے کہ عورت اس کا مطالبہ کر رہی تھی، بلکہ یہ اس لیے کہ یہ عورت کے فطری اور بنیادی حقوق تھے اور اسے ملنے ہی چاہیے تھے۔ اسلام نے معاشرے میں عورت کا جو بلند مقام اور مرتبہ متعین کیا اور جس طرح اس کے حقوق کی حفاظت کی وہ ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ نہ تو عورت کو گناہ کا پتلا سمجھ کر اس کی تحقیر کی اجازت ہے اور نہ ہی یورپ کی مانند اسے مادر پدر آزادی کا مستحق

قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ آزادی بھی اس کے حقوق کو غصب کرنے کی ایک مہذب چال ہے۔ اگر اسلام کو مکمل طور پر نافذ کر دیا جائے تو امید کی جا سکتی ہے کہ ہر کمزور، مظلوم اور محروم کو اس کے بنیادی حقوق مل سکیں گے اور ایک عورت بھی باعزت شہری کے طور پر زندگی گزارنے کے قابل ہو سکے گی۔

حوالہ جات

[1] ابو عمار ظاہر الراشدی، اسلام اور انسانی حقوق اقوام متحدہ کے عالمی منشور کے تناظر میں، گوجرانوالہ، الشریعہ اکادمی، 2011ء، ص40

[2] ایضا، ص55

[3] انسانی حقوق کا عالمی منشور، محکمہ اطلاعات عامہ اقوام متحدہ، نیویارک، 1965، ص1

[4] آکسفورڈ لرنرز پاکٹ ڈکشنری، نیویارک، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2008ء، ص163

[5] اسد اللہ خان، انسانی حقوق اور حق آزادی کے تناظر میں میرا جسم میری مرضی کا نعرہ: شرعی جائزہ، مجلہ تعلیم و تحقیق، 2023ء، جلد5، شمارہ4، ص5تا28

[6] سرفراز حسین سعید، حقوق نسواں کا عالمی معاہدہ CEDAW اور شریعت اسلامیہ: تقابلی مطالعہ، ایقان، 2018ء، ج1، شمارہ1، ص125تا145

[7] انسانی حقوق کا عالمی منشور، محکمہ اطلاعات عامہ اقوام متحدہ، نیویارک، 1965ء، ص4

[8] شعبہ اردو، دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، 1973ء، ج10، ص618-619

[9] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، قصص الانبیاء، لاہور، فقہ الحدیث پبلیکیشنز، 2007، ص144

[10] کتاب پیدائش، 1943ء، 11، 10-25

[11] الحدید، 27:57

[12] سید ابو الاعلیٰ مودودی، ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 2009ء، ص1385

[13] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، المصباح المنیر تہذیب و تحقیق تفسیر ابن کثیر، لاہور، دار السلام، 1430ھ، ج6، ص126

[14] بخاری، محمد بن اسماعیل، مترجم مولانا عبد الرزاق دیوبندی، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ج3، ص65، رقم الحدیث56

[15] کرنتھیوں کے نام، 7:25-38

[16] کرنتھیوں کے نام، 7:32-34

[17] کرنتھیوں کے نام، 7:36-40

[18] Ecclesiasticus 12:3, 4

[19] المائدۃ، 5:32

[20] التکویر 81:8-9

[21] بنی اسرائیل 17:31

[22] انسانی حقوق کا عالمی منشور، محکمہ اطلاعات عامہ اقوام متحدہ، نیویارک، 1965ء، ص4

23 کرنتھیوں8-9:11
24 پیدایش16-17:3
25 النساء19:4
26 مولانااشرف علی تھانوی، تفسیر بیان القرآن، مکتبہ رحمانیہ،لاہور،ج1،ص338
27 النور33:24
28 انسانی حقوق کا عالمی منشور، محکمہ اطلاعات عامہ اقوام متحدہ،نیویارک،1965ء،ص4
29 پیدائش12-13:3
30 واعظ28:7
31 واعظ26:7
32 بنی اسرائیل70:17
33 الحجرات13:49
34 انسانی حقوق کا عالمی منشور، محکمہ اطلاعات عامہ اقوام متحدہ،نیویارک،1965ء،ص4-5
35 احبار1-5:12
36 ابوداؤد، سلیمان بن اشعث(مؤلف)،علامہ وحید الزمان(مترجم)، سنن ابی داؤد، کتاب ا لنکاح، باب فی حق المراۃ علی زوجھا،ج2،ص115-116،رقم الحدیث375
37 النساء4:3
38 انسانی حقوق کا عالمی منشور، محکمہ اطلاعات عامہ اقوام متحدہ،نیویارک،1965ء،ص5
39 کرنتھیوں10-11:7
40 کرنتھیوں39:7
41 استثنا1-4:24
42 ابن ماجہ، محمد بن یزید، مترجم پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی، سنن ابن ماجہ، کتابابواب ا لنکاح، باب من زوج ابنتہ وھی کارھۃ، ج2،ص169، رقم الحدیث1874
43 بخاری، محمد بن اسماعیل، مترجم مولاناعبدالرزاق دیوبندی،الجامع الصحیح، کتاب ا لنکاح، باب لاینکح الأب وغیر البکر والثیب الابرضاھا،ج3،ص101،رقم الحدیث123
44 مسلم بن الحجاج، مترجم وحید الزمان، الجامع الصحیح، کتاب ا لنکاح، باب استئذان الثیب فی ا لنکاح بالنطق والبکر بالسکوت، ج4، ص417، رقم الحدیث3476
45 انسانی حقوق کا عالمی منشور، محکمہ اطلاعات عامہ اقوام متحدہ،نیویارک،1965ء،ص7

46 ڈاکٹر برہان الدین، عالمی منشور برائے انسانی حقوق میں عورت کو دیے گئے حقوق کا اسلام کے خاندانی نظام سے تقابلی جائزہ، مجلہ الثقافۃ الاسلامیۃ، 2022ء، ج47، شمارہ1، ص53-88

47 گنتی 36:2-11

48 النساء، 7:4

49 انسانی حقوق کا عالمی منشور، محکمہ اطلاعات عامہ اقوام متحدہ، نیویارک، 1965ء، ص7

50 تیمتھیس 14:2-11

51 ابن ماجہ، محمد بن یزید، مترجم علامہ وحید الزمان، سنن ابن ماجہ، کتاب المقدمۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ج1، ص150، رقم الحدیث 224

52 ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، مترجم علامہ وحید الزمان، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتیماً، ج3، ص473، رقم الحدیث 1706

53 انسانی حقوق کا عالمی منشور، محکمہ اطلاعات عامہ اقوام متحدہ، نیویارک، 1965ء، ص10

54 ایضا، ص4

55 کرنتھیوں 11:3

56 البقرۃ 228:2

57 النساء 1:4

58 الاعراف 189:7

59 البقرۃ 35:2

60 البقرۃ 36:2

61 الاعراف 20:7-24

62 آل عمران 195:3

63 ناہیدہ جمال، عورتوں کے معاشی اور سماجی حقوق، اسلام اور شریعت کی نظر میں، مجلہ قرآنی وسماجی علوم، 2023 ۲۰۲۳ء، ج3، شمارہ1، ص1-10

64 ڈاکٹر برہان الدین، عالمی منشور برائے انسانی حقوق میں عورت کو دیے گئے حقوق کا اسلام کے خاندانی نظام سے تقابلی جائزہ، مجلہ الثقافۃ الاسلامیۃ، 2022ء، جلد47، شمارہ1، ص53-88

65 ڈاکٹر فرید الدین طارق، انسانی حقوق کا جدید فلسفہ اسلامی تناظر میں، مجلہ البصیرۃ، ج8، شمارہ1، ص41-60

66 محمد عثمان خالد، انسانی حقوق کا مذہبی اور جدید عالمی تناظر: اقوام متحدہ کے منشور اور اسلامی تعلیمات میں اختلافی پہلو، 2019ء، ج2، شمارہ1، ص167-176